

نواب واجد علی کم از کم منافق نہیں تھا!

اوڈھ برصغیر کی امیر ترین ریاستوں میں سے ایک تھی۔ انگریز اس خطہ کو ہندوستان کی ملکہ کہتے تھے۔ باغات، زرخیز زمین، اناج کی بے پناہ پیداوار ریاست کو بقیہ تمام برصغیر سے ممتاز کرتی تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اوڈھ کی عسکری اہمیت سے بھی واقف تھی۔ انہیں اس امیر حکومت کے لئے ایک ایسا بادشاہ درکار تھا جو صرف برائے نام ہو۔ جس کے پاس کوئی اختیار نہ ہو مگر وہ صرف اور صرف تخت نشین رہے۔ ذہن میں یہی سمجھتا رہے کہ وہی اصل حکمران ہے۔ اس کے لئے واجد علی شاہ سے بہتر انتخاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ کمپنی بہادر نے 1847ء میں اس شخص کو ریاست کا بادشاہ بنادیا۔ واجد علی شاہ کو حکومت کرنے میں کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف خواتین کی محفل میں رہنا مقصد حیات سمجھتا تھا۔ نوبس کے معلوم اقتدار نے اوڈھ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور مسلمانوں کی امیر ترین ریاست، کمپنی بہادر کی غلامی میں آگئی۔ واجد علی کیا کرتا تھا۔ اس کے شب و روز کیا تھے۔ اس کی براۓ نام طرز حکمرانی کس نوعیت کی تھی۔ یہ وہ مرثیہ ہے جس پر صرف ماتم کیا جا سکتا ہے۔

کھنک ڈانس مقامی طور پر مندروں میں مذہبی زاویہ سے پیش کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اوڈھ کی طوائفوں نے بھی کھنک رقص پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ واجد علی شاہ نے ٹھاکر پرساد جی کو اس معاملہ میں اپنا استاد مقرر کیا۔ برصغیر کے نامور رقص، کلکہ بندہ نام کے بھائیوں کو دربار میں اعلیٰ ترین مرتبہ دیا۔ اور بذات خود کھنک ڈانس سیکھنا شروع کر دیا۔ اب ہوتا یہ تھا کہ بادشاہ سلامت دربار میں ان گنت خواتین کے ساتھ کھنک ڈانس پیش کرتے تھے۔ برصغیر کی ادنیٰ درباری روایتوں کے عین مطابق، خوب داد وصول پاتے تھے۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ نواب صاحب عجیب و غریب ڈرامے قلمبند فرماتے تھے۔ ”رادھا کنھیا کا قصہ“، انکا اپنا تحریر شدہ ڈرامہ تھا۔ جسے ”رَأْسِ مَنْزَل“، نامی محل میں ان کی بیویوں نے پیش کیا تھا۔ کردار کی گراوٹ کا اندازہ فرمائیں کہ بادشاہ سلامت کی زندگی میں ایک برس ایسا بھی تھا۔ جس میں وہ بلا نامہ دو لہا بنتے تھے اور روز ایک نئی شادی کرتے تھے۔ ان کی کتنی عارضی اور مستقل بیگمات تھیں۔ اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ واجد علی شاہ کی محافظین سیاہ فام خواتین تھیں۔ جن میں سے اکثر ان کی منکوحہ اور غیر منکوحہ بیویاں تھیں۔ اوڈھ کے معاملات اتنے برماد ہو گئے کہ ایسٹ

انڈیا کمپنی نے ان کی ریاست پر مکمل قبضہ کر لیا۔ واجد علی شاہ کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اور اسے کلکتہ میں ایک جا گیر کا مالک بنادیا گیا۔ 1874ء میں نیویارک ٹائمز نے واجد علی شاہ کی زندگی پر تحقیق کرنے کے لئے اپنا خصوصی نمائندہ کلکتہ بھجوایا۔ نواب کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بارہ لاکھ سالانہ پینش پر زندہ تھا۔ اس اخباری نمائندہ نے جو رپورٹ، اخبار میں چھپنے کے لئے ترسیل کی۔ وہ کسی بھی ملک، قوم، ریاست اور لیڈر کے لئے صرف اور صرف ایک نوحہ ہے۔ نواب نے سات ہزار افراد کے لئے ایک گراونڈ بنوایا ہوا تھا جس میں ان گنت بھانڈ، رقص، موسیقار، طواںفیں اور بیگماں، واجد علی کے حضور قصیدہ پڑھتی تھیں۔ اٹھارہ ہزار کبوتر، سینکڑوں بندروں اور رپچھ بھی پال رکھے تھے۔ واجد علی خود تو بدنامی کی عمیق گڑھے میں ہمیشہ کے لئے گرہی گیا۔ مگر اس کی فضول خرچیوں، حد درجہ عیاشوں نے مسلمانوں کی رئیس ترین ریاست کو غلام بنادیا۔ اخراجات بے پناہ اور آمدنی محدود، اودھ کی حکومت کا ایک ایک بال سود خوروں کے پاس گروئی پڑا ہوا تھا۔ اور نواب دربار میں کھٹک ڈانس کرنے میں مصروف تھا۔ عام لوگوں کے لئے ریاست کو ٹیکس دینا ناممکن ہو چکا تھا۔ مگر واجد علی موسیقی اور کبوتروں پر تحقیق کر رہا تھا۔ اودھ جل رہا تھا مگر نواب ٹھمری کے نئے سر لگانے میں مصروف کا رہتا۔

ذہن میں یہ سوال ضرور آئے گا کہ بھلا ہمارا ایک بدکردار نواب اور اس کی غلیظ حرکات سے کیا تعلق۔ ایک نظر سے دیکھیے تو شائد کوئی تعلق نہیں۔ کہاں 1856ء کا اودھ اور کہاں تقسیم ہند کے بعد بننے والا پاکستان۔ مگر میری غلطی کو معاف فرمائیے۔ طالب علم کو اودھ، واجد علی اور اپنے ملک میں حد درجہ گھری مماثلت نظر آ رہی ہے۔ کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ پاکستان حد درجہ مقروض ملک ہے۔ پوری دنیا میں ہماری عملی حیثیت ایک بھک منگے کی سی ہے۔ مگر کیا آپ کو ہماری سابقہ اور موجودہ حکومتوں اور طرز حکمرانی سے گمان ہوتا ہے کہ ہم ایک غریب ملک ہیں۔ ہمارے شاہانہ ٹھانوں باٹھد کیجھ کرایسے لگتا ہے کہ ہم دنیا کی امیر ترین ریاست ہیں۔ بلکہ ہم امریکہ، چین اور ولڈ بینک کو امداد دیتے ہیں۔ تنقیدی نظر سے پر کھیے۔ مختلف ادوار کے صدور، وزراء عظم، اکابرین کے عملی طرز کو سامنے رکھیے۔ ان کے رٹے رٹائے، لفظی بیانیے کے اندر غور سے جھانک کر دیکھیے۔ حقائق دیکھ کر رو نگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ مثال عرض کرتا ہوں۔ امریکہ یا ترہ، ہمارے کسی بھی وزراء عظم کے لئے اہم ترین فرضیہ ہے۔ انکا خیال ہے کہ اگرام کی صدر کے ساتھ صرف تصاویر سکھنے والیں تو اسے ملک میں حکومت کی مضبوطی کا بھر بورتاڑ

دینے میں آسانی ہو جائے گی۔ کیا آپ کے علم میں ہے کہ امریکہ کا دو تین دن کا سرکاری دورہ جس میں محض چند افراد کے اخراجات امریکی حکومت برداشت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کیا معاملات ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک سابقہ وزیر اعظم، اٹھارہ سے پھیس ہزار ڈالر یومیہ کے ہوٹل میں بمعہ اہل و عیال قیام فرماتے تھے۔ یومیہ کا لفظ حد درجہ قابل توجہ ہے۔ اگر امریکی حکومت نے دس بندوں کے سرکاری اخراجات کا دو تین دنوں کا بوجھ برداشت کرنے کا عندیدہ دیا ہے۔ تو ہمارے منتخب اور غیر منتخب حکمران ساٹھ سے دو سو آدمیوں کے وفد کو ساتھ لے جانا پسند فرماتے تھے۔ بیگمات، کروڑوں روپے کی شاپنگ کرتی تھیں۔ رشته دار، مصاحبین ساتھ ساتھ اپنی فرمائیں پوری کرتے تھے۔ سفارت خانوں کو دھمکی دے کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وفد کے لئے مہنگی ترین گاڑیاں کراچی پر حاصل کریں۔ کئی بار سفارت خانے، گاڑیوں کا کراچیہ ادا کرنے کی حیثیت تک نہیں رکھتے تھے۔ اور پھر یہ دون ملک ہماری وہ درگت بنائی جاتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر اس اثناء میں با دشہ سلامت اپنے وفد کے ساتھ واپس پاکستان آچکے ہوتے تھے۔

صرف چند برس پہلے کی بات ہے۔ انہوں کے سب سے مہنگے سٹور یعنی ہیرڈر پر سابقہ پاکستانی وزیر اعظم کا خاندان شاپنگ کے لئے گیا۔ یہ سٹور حد درجہ بیش قیمت چیزوں کے لئے مشہور ہے۔ خاتون اول اور ان کے بیٹے بیٹیوں نے تین سے پانچ ملین پاؤنڈز کی خریداری فرمائی۔ ان کے سامان کے لئے ہیرڈر سٹور سے متعدد سوٹ کیس خریدے گئے۔ اور پھر یہ مکمل سامان، مفت، یعنی کسی کراچی کے بغیر قومی ائر لائن کے ذریعے اسلام آباد منتقل کیا گیا۔ وہاں سے چار پانچ پک اپس پر انہیں لا ہوڑ ڈینفس کے گھر میں منتقل کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت واقعی بہترین انتقام ہے۔ آج بھی سابقہ وزیر اعظم، مہنگے ترین سوٹ پہن کر جمہوریت کے فوائد پر خطبہ دیتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ تمام بھاشن، کسی شرمندگی کے بغیر جاری و ساری ہے۔ حیرانگی یہ ہے کہ کسی بھی وزیر اعظم یا صدر کے عملی رویے میں رتنی برابر بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمارے ایک تہجد گزار صدر کے بیٹے کی گرجوایشن کے موقع پر پورا جہاز کروا کر، امریکہ تشریف لے گئے تھے۔ ان کے عزیز رشته دار تمام مفت کی سیر میں شامل تھے۔ منافقت کی انتہا دیکھیے کہ معمولی سا سرکاری کام بھی رکھ لیا گیا تھا۔ چھوٹے سے کام کے بعد، موصوف جہاز لے کر اونے مٹے کے شہر تشریف لے گئے تھے۔ جہاں اس کی تعلیم مکمل ہونے کی ذاتی تقریب تھی۔ صدر

محترم، کئی ملین امریکی ڈالر کا سرکاری خزانے کو آرام سے چونا گانے میں کامیاب ٹھہرے۔ اس طرح کی کوئی ایک مثال نہیں ہے۔ درجنوں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں مثالیں ہیں۔ اسلام آباد کے اکابرین کو تھوڑی دیر کے لئے فرماوش کر دیجئے۔ صوبوں کے وزراء اعلیٰ کو ہوائی جہاز کی سرکاری سہولت حاصل ہے۔ یعنی اگر انہیں سرکاری کام کے لئے لاہور، کراچی، کوئٹہ یا پشاور سے اسلام آباد جانا ہے تو یہ ان کا استحقاق ہے کہ وہ سرکاری ہوائی جہاز استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ کسی بھی صوبے کے سرکاری جہاز کے پائلٹ سے پوچھ لیں کہ جہاز کون استعمال کرتا ہے۔ جواب سن کر پسینہ آجائے گا۔ عزیز رشتہ دار اہل خانہ تو ایک طرف۔ وزیر اعلیٰ کے ملازم میں تک اس سرکاری جہاز کو بے درج استعمال کرتے ہیں۔ ماضی میں بر بادی کی اگر یہ کہانی سچی تھی تو موجودہ حکومت کے معاملہ میں بھی سو فیصد درست ہے۔ موجودہ وزیر اعظم اور ان کی ٹیم کسی قسم کے با معنی سرکاری اخراجات کو کم کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔ سابقہ دور کی عیاشیاں اور الیٰ تلے بغیر کسی روک ٹوک کے جاری ہیں۔ ویسے واجد اعلیٰ شاہ اور موجودہ اور سابقہ اکابرین میں ایک فرق ضرور ہے۔ واجد اعلیٰ بالکل منافق نہیں تھا۔ وہ خم ٹھوک کر دربار میں رقص کرتا تھا۔ مگر یہ اکابرین تو نیکی اور پارسائی کے جعلی لباس میں موجود ہیں۔ پوری قوم، غربت، مہنگائی، تنگ دستی، بیروزگاری، نا انصافی کی بدولت کراہ رہی ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے اپنے محلوں میں شاد اور آباد ہیں۔ ان کو دیکھ کر واجد اعلیٰ شاہ کچھ بہتر انسان محسوس ہوتا ہے؟